پروین شاکر (محبت کی کہانی-نسوانی آواز میں)

ڈاکٹر عقیلہ جاوید*

Abstract:

This article deals with the poetry of Parveen Shakir in a new contest. In the western tradition a feminism voice has been considered essential for the expression of the feeling of a women. So it is not a simple thing that if our female writers went to discover in a different way and the critics also was to discover this voice in the contest of feminism.

خوشبو کا م لیں تو ایک لطیف سا احساس ہوتا ہے۔ دھیان جہاں پھولوں کی طرف منعکس ہوتا ہے۔ وہاں دوسری طرف ایک خوبصورت شاعرہ کی یاد بھی دل میں انگڑائی لیتی ہے۔ پروین شاکر* کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ جملہ پروین شاکر کی انفرادیت کو اجاگر نہیں کرتا۔ کیوں کہ بے شمار شعرا ہیں جن کے نام تعارف کے محتاج نہیں۔ یہاں مجھے یہ کہنا چاہیے کہ پروین شاکر کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ جملہ پروین کی انفرادیت ظاہر کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ جملہ ہم عموماً شعراء کے متعلق نہیں لکھ سکتے۔ برسوں بیت جاتے ہیں لیکن پھر بھی ہم کسی شاعر کے کلام سے مکمل طور پر متعارف نہیں ہو پاتے۔ اس کی وجہ یقیناً یہی ہوسکتی ہے کہ شاعر انہونی واردات کے زیرِ اثر انوکھے انداز میں لایعنی گتھیوں کے پیچ وخم میں خود الجھتا ہے اور قاری کے ہاتھ میں الجھی ہوئی ریشم کی گیند کا بمشکل ایک سرا ہی ہاتھ لگتا ہے۔ ایسے میں نقاد تنوع، الجھاؤ، کشمکش، لفظوں کا ہیر پھیر، جیسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کلام کی گرہیں کھولنے کی سعی شروع کر دیتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سعی لاحاصل ہے۔ کبھی وہ کہتا ہے کہ فلاں شاعر گھمبیر لہجے میں بات کرتا ہے۔ کبھی وہ کہتا ہے فلاں شاعر کے ہاں فلسفیانہ موشگافیاں ہیں۔ یا یہ کہ فلاں صنعتوں کی شعبدہ بازی کا کھلاڑی ہے یا وہ روایت کی پاسداری کرتا ہے یا پھر روایت کو توڑتا ہے۔ لیکن پروین شاکر کے ساتھ معاملہ دوسرا ہے۔ پروین محبت کی شاعرہ ہے اور محبت پیار کی خوشبو ہے۔ محبت انسان کو الجھاتی نہیں بلکہ رہنمائی کرتی ہے۔ محبت سے ہر عمر کا انسان واقف ہے۔ یہ جذبہ رنگ، نسل اور عمر سے ماورا ہے۔ ہر جاندار اسے محسوس کرتا ہے۔ بس اسے بیان کرنے کا انداز منفرد اور جدا ہوتا ہے۔ پروین شاکر نے اس جذبے کو اتنا گہرائی اور سچائی سے بیان کیا ہے کہ تمام شعری تجربے کا تارو پود اس کے گرد بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پروین شاکر سے پہلے عشق و محبت کے موضوع پر

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بے شمار طبع آزمائی ہوئی۔ مردوں نے اسے اپنی جاگیر خاص سمجھتے ہوئے اسے اس طرح برتا کہ بعد میں آنے والی خواتین کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اگر اس جذبے کو اپنائیں تو نسوانی لب و لہجے سے بچتے ہوئے مردانہ انداز میں جذبے کو پیش کریں۔ عشق اور ہوس میں کبھی فرق سمجھا ہی نہیں گیا۔ محبوب کا لباس، محبوب کی ادائیں، محبوب کی شکل وصورت، ہجر و وصال کے لمحات کا ڈرامائی انداز۔ بس یہ عشق یا قلبی واردات کی مکمل داستان تھی جس کے مضامین کو سو سو طرح سے باندھا گیا اور غزل کا مطلب ہی عورتوں سے باتیں کرنا مراد لیا گیا۔ گویا یہ مقالہ لکھنے کا وہ خاکہ تھا جو قدرے کمی بیشی کے بعد ہر غزل گو نے یوں اپنایا کہ اسے اپنا ذاتی تجربہ قرار دے کر مختلف رنگ بھر دیا گیا۔ جذبہ چوں کہ مستعار لیا گیا لہٰذا ان کے پاس جو میدان رہ گیا وہ محض لفظوں کا ہیر پھیر تھا۔ جس کے گورکھ دھندوں میں آنے والے الجھتے رہے۔

اُردو ادب کے ابتدائی دور میں عورت کا تصور بالکل روایتی تھا۔ یعنی وہ ایک نمائشی حیثیت رکھتی تھی یا پھر اس سے قربانی کی توقع رکھی جاتی تھی گویا اسے پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ مردوں کا دل بہلائے اور ان کے عیش و عشرت اور شہوانی خواہشات کی تکمیل کے بعد ان پر سے قربان ہو جائے۔ عورت مرد کے نزدیک ایک خوبصورت مجسمہ تھی جس سے وہ لطف اندوز تو ہوتا تھا لیکن اس کے باطن میں جھانکنے یا اُس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا نہ تو اسے ارمان تھا اور نہ احساس۔ عورت کے جذبات کی ترجمانی نہ وہ کر سکتا تھا اور نہ ہی یہ اس کا مقصد تھا۔

ابتدائی اردو شاعری سراپا نگاری سے عبارت تھی جس میں عورت محبوبہ کے روپ میں سامنے آتی ہے اگرچہ ہندی اور سنسکرت شاعری میں عورت کا جو تصور ابھرتا ہے وہ بہت انوکھا ہے کیوں کہ کم از کم شاعری کی حد تک ان کے خیالات و احساسات اخلاقیات اور روحانیت کے حامل رہے لیکن جب اردو شاعری میں تخیلی محبوبہ کو پیش کیا گیا تو اکثر جگہ ادب ابتذال کا شکار ہو گیا۔

اس سب سے ہٹ کر عورت جہاں شعر و ادب کا موضوع بنی وہاں ادب خود اس کی خاص قلمرو بھی رہا ہے۔ لیکن باقر مہدی کی یہ رائے بھی وقیع ہے کہ

> ''اردو شاعری کی تعریف میں کوئی ایمیلی ڈکنس یا اس طرح کی کوئی بھی اہم شاعرہ نہیں ہوئیں اور غزل کی حکمرانی میں عورتوں پر تغزل کے دروازے اس طرح بند کئے تھے کہ وہ جانِ غزل بن سکتی تھی مگر خود غزل گو نہیں بن سکتی تھی۔''
>
> (خاموشی کی آواز، ص ۱۶۱)

دراصل اردو ادب اپنی ترقی پسند تحریک اور جدید رجحانات کے باوجود نہایت دقیانوسی اور روایتی رہا ہے۔خود ترقی پسند اور جدید ادیبوں اور شاعروں کی تحریریں عورت کی جذباتی اور معاشرتی کشمکش کو مسخ کر کے پیش کرتی رہی ہیں اس کے جسم کو اہمیت دی گئی مگر اس کے ذہن اور تخلیقی صلاحیتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا۔ایسے میں پروین شاکر جیسی شاعرات نے بطور عورت جو نسوانی آواز بلند کی اس میں اس کے جذبات خیالات کے آئینے میں ڈھل کر سماعت پذیر ہوتے ہیں۔

پروین شاکر کی غزل میں عشق و محبت کے وہ فرسودہ مضامین نہیں ملتے۔سب سے پہلے تو وہ اس تجربے سے خود گزرتی ہیں پھر وہ نسوانی جذبات کی ترجمانی اس اعلیٰ درجے کی کرتی ہیں کہ محبت سے وہ خود ہی سرشار نہیں ہوتیں بلکہ یہ سرشاری قاری تک منتقل ہوتی ہے۔روایت اور سماجی رویئے کے برعکس وہ نسوانی اظہار پر شرمندگی محسوس نہیں کرتیں بلکہ فخر سے اعتراف محبت کرتی ہیں۔یوں محبت کے معاملے میں وہ حقیقت پسند شاعرہ کے روپ میں ہمارے سامنے آئی ہیں۔

خوشبو کے فلیپ پر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

> ''پروین کی غزلوں میں غزل کے پیکر کا احساس ہے اس کی ایک وجہ پروین کی نسوانی بصیرت ہوسکتی ہے جس نے غزل کو ایک کومل لڑکی کے روپ میں دیکھ لیا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کیوں کہ ادب کی بنیاد انسانی جذبات واحساسات پر رکھی گئی ہے اور اس کے ڈانڈے زندگی سے ملے ہوئے ہیں اس لئے ہر قوم اور ملک کی خواتین نے اس شعبہ حیات کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کیا ہے۔

یہاں میں کہتی جاؤں کہ پروین شاکر سے پہلے کم از کم محبت کے حوالے سے اتنا حقیقت پسندانہ رویہ کسی شاعر کے ہاں موجود نہیں۔کیوں کہ اس خارزار میں ننگے پاؤں چلنے کا حوصلہ وہ دیوانگی مانگتا ہے جس پر فرزانگی کو قربان کرنا پڑتا ہے۔اور نفع نقصان کو بالائے طاق رکھ کر اشکوں سے سودا کرنا پڑتا ہے۔لیکن ساتھ ساتھ آہوں کو دبانا بھی پڑتا ہے۔دہلی کے مجتبیٰ حسین پروین شاکر کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

> ''نسوانی جذبات کا ٹھیٹ اور شائستہ اظہار ہمیں صرف پروین شاکر کی شاعری میں ملتا ہے۔محبت ایک ازلی جذبہ ہے۔اس جذبے کو ابتدائے آفرینش سے فنکاروں نے اپنی تخلیقات میں برتا، پرکھا اور پیش کیا لیکن یہ جذبہ جب پروین

شاکر کی شاعری میں نکھرتا ہے تو اس کی چمک دمک سب سے مختلف اور منفرد دکھائی دیتی ہے۔''

(''میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا'' ص ۴۱۲، مشمولہ خوشبو کی ہمسفر)

گویا محبت کی سچی کہانی شاعری کی صورت میں ڈھلتی ہے تو اپنی پوری جزئیات سمیت لفظوں کے سہارے بھر پور انداز میں بے نقاب ہو کر توانا رنگوں کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ نہ معذرت خواہانہ لب و لہجہ، نہ رقیبانہ جلاپا، نہ فرسودہ لفاظی، نہ کھل کھیلنے کا انداز۔ بس صاف، سچی اور سیدھی بات کرتی ہیں جو اسی سیدھے سادے انداز میں قاری کے دل میں اتر جاتی ہے۔ وہ خود کہتی ہیں:۔

''شاعری میں میں صداقت کی قائل ہوں۔ تصنع شاعری کے لباس پر ایسی آرائش ہے جو نظر کو شاید بھلی لگے لیکن دل پر بڑا بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔''

پروین شاکر از سلطانہ مہر، ص ۱۶۱، مشمولہ خوشبو کی ہمسفر

مترنم اور چھوٹی بحریں ان کے جذبے کی لے کو بہت اچھے طریقے سے قاری تک منتقل کرتی ہیں۔ چونکہ قدرت نے عورت کے جذبات میں بے پناہ شدت رکھی ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے بے جا نہ ہوگا کہ عورتوں کی زبان کی بنیاد ہی جذبات نگاری پر پڑی اور ان کی زبان میں جذبات نگاری اور زورِ بیان کے لئے الفاظ کا جس قدر بڑا ذخیرہ ملتا ہے کسی ادیب یا شاعر کے ہاں نہیں ملے گا کیوں کہ عورت ایک طرف جذبات کا مخزن ہے دوسری طرف الفاظ کی خالق۔ پروین شاکر کے ہاں عشق و محبت پر مبنی یہ مکمل کہانی ان کے شعروں میں یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ ایک مشرقی لڑکی ہے جو سماجی اقدار کی نفی کا حوصلہ نہیں رکھتی جب پہلے پہل اُس کے دل میں ایک خوبصورت احساس جاں گزیں ہوتا ہے تو اس احساس کو وہ کس طرح زبان دیتی ہے جس سماج میں محبت کرنا جرم شمار ہوتا ہے وہاں یہ کیفیت کس قدر حسبِ حال ہے:۔

کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی

(خوشبو، ص ۴۷)

لیکن جب یہ احساس جذبے میں ڈھل جائے تو پھر پہلا پل بھلائے نہیں بھولتا اور سب سے پہلے نیند رخصت ہوتی ہے:۔

آنکھ کو یاد ہے وہ پل اب بھی
نیند جب پہلے پہل ٹوٹی تھی
(خوشبو،ص ۳۱۱)

بظاہر بات تو بہت چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن نیند کے پہلے پہل ٹوٹنے سے لے کر بات کرنے کے درمیان تک کئی مرحلے ہوتے ہیں جنہیں طے کیا جانا ہوتا ہے۔ مرد اپنی تمام تر حسیات سے کام لے کر بھی عورت کی اس کشمکش سے واقفِ حال نہیں ہوسکتا کہ

وہ اب میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا اس سے نہ بولوں
(خوشبو،ص ۳۰۷)

یہ لڑکی اعتراف محبت کے اس کٹھن مرحلے سے بھی گزرتی ہے جب:۔

ایسے موسم بھی گزارے ہم نے
صبحیں جب اپنی تھیں شامیں اس کی
(خوشبو،ص ۴۴)

محبت وہ شدید جذبہ ہے جس میں یا تو محبوب میں ضم ہوکر اپنی انفرادیت تج دینی ہوتی ہے یا محبوب کو اپنا بنا کر خود میں سمو دینا ہوتا ہے کچھ اسی کیفیت کا اظہار پروین شاکر کے اس شعر میں ہوتا ہے:۔

حل ہوگیا خوں میں کچھ ایسے
رگ رگ میں وہ نام بہہ رہا ہے
(خوشبو،ص ۲۵۹)

محبت کی سرشاری میں وہ لمحہ بھی آتا ہے جب وقت کے گزرنے کا احساس نہیں رہتا۔ یوں لگتا ہے ایک معصوم لڑکی ہاتھ کی پیالی میں ٹھوڑی رکھے اپنے محبوب سے باتیں کرنے میں مگن ہے اور

دوپہر شام ہوئی شام شبِ تار ہوئی
اور کھلتے رہے باتوں کے گلاب
(ماہِ تمام،ص ۱۴۸)

ایسے میں زماں کا حقیقی تصور مٹ جاتا ہے وقت بھی جذبے کا اسیر ہو جاتا ہے:

اس کے وصل کی ساعت ہم پر آئی تو جانا
کس گھڑی کو کہتے ہیں خواب میں بسر ہونا
(ماہِ تمام،ص۷٦)

محبت میں ہار جیت کے اپنے اصول ہوتے ہیں یہاں نسوانیت کا غرور ہی اس کی ہار میں پوشیدہ ہے اس ہار میں جیت کا مزہ چھپا ہے جسے ایک مشرقی لڑکی سے زیادہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا:۔

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کردے گا
(خوشبو،ص۲۰۵)

پروین شاکر کی شاعری کی یہ پھول چنتی، چڑیوں کی آواز سنتی ہراساں ہراساں لڑکی ہمیں اپنے دل سے قریب محسوس ہوتی ہے۔جب وہ معصومیت سے اپنی خواہشات کا اظہار کرتی ہے۔

وہ روز آکے مجھے اپنا پیار پہنائے
میرا غرور ہے بیلے کے ہار کا موسم
(خوشبو،ص۲۱۴)

چاند اس دیس میں نکلا کہ نہیں
جانے وہ آج بھی سویا کہ نہیں
(خوشبو،ص۲۰۲)

میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
(خوشبو،ص۴۷)

یہ لڑکی رقیب نہیں پالتی بلکہ اپنی جیسی کچھ سہیلیوں سے راز و نیاز کرتی ہے اور اپنی سہیلیوں کا ہی رنگ روپ اپناتی ہے۔

وہ رُت بھی آئی کہ میں پھولوں کی سہیلی ہوئی
مہک میں چمپا کلی ، روپ میں چمبیلی ہوئی
(خوشبو،ص۵۰)

اور پھراس لڑکی کو بہلانا بھی بہت آسان ہے۔ کیونکہ اس کی خواہشات انوکھی ضرور ہیں مگر محدود بھی ہیں عاشق کے ہاں ہجر سب سے مشکل مرحلہ شمار ہوتا ہے مگر یہاں تنہائی کے لئے کیا اچھا سہارا تلاش کیا ہے:۔

وہ چاند بن کر میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اس کے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی
(خوشبو،ص۵۰)

''خوشبو'' کے دیباچے میں پروین خود لکھتی ہیں کہ:۔

''اگر محبت تقاضائے جسم وجان سے ماورا ہو جائے تو الہام بن جاتی ہے''

پھر اتنی توانا یادوں میں وصل کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ محبوب کو اچانک روبرو پا کر حیرانی ہوتی ہے۔

دروازہ جو کھولا تو نظر آئے کھڑے وہ
حیرت ہے مجھے آج کدھر بھول پڑے وہ
(خوشبو،ص۸۶)

امجد اسلام امجد کے بقول:

''پروین کی شاعری میں آپ کو ایک عورت سے زیادہ ایک لڑکی کی آواز سنائی دے گئی۔ ایک ایسی لڑکی کی آواز جو خوبصورت پھول چننا بھی جانتی ہے اور انہیں گلدان میں سجانا بھی۔''

(امجد اسلام امجد،فلیپ ''خوشبو'')

اپنے معصومانہ انہاک میں اس نے کیا کچھ کھو دیا یہ تو اس کے تصور سے بھی پرے کی بات ہے۔ چاند اور پھول کی دیوانی لڑکی کے ساتھ ایسا ہونا غیر فطری نہیں کہ:۔

میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آ کے میرے شہر سے چلا بھی گیا
(خوشبو،ص۹۸)

روایتی شعرأ کے ہاں ایسے موقع پر آہ وفغاں بلند ہوتی ہے جگر کا خون ہوتا ہے کبھی کبھی دشنام طرازی تک نوبت آ پہنچتی ہے۔مگر پروین شاکر کو اپنا عورت ہونا نہیں بھولا لہٰذا یہاں بھی نسوانی آواز بلند ہوتی ہے۔

کہیں رہے وہ مگر خیریت کے ساتھ رہے
اٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی
(خوشبو،ص ۱۵۰)

محبت میں سرشاری کے بعد جب ہجر وفراق کے لمحات آتے ہیں تو دلوں میں بے پناہ خدشات بھی جنم لیتے ہیں۔روایتی انداز کی شاعری میں ایسے موقعوں پر تقدیر کا گلہ کیا جاتا ہے،مقدر کو برا بھلا کہا جاتا ہے مگر یہاں تو ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے جو زیرِ غور ہے کہ:۔

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسلۂ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا
(خوشبو،ص ۱۸۵)

ہمارے سماج میں لڑکی کو بہت زیادہ نوازا نہیں جاتا۔پروین کو عورت ہونے کے ناتے اپنے مقام سے پوری طرح آگاہی ہے۔اس لئے اُن کی طلب بہت زیادہ نہیں وہ تو بس یہ چاہتی ہے

چہرہ نہ دکھا، صدا سُنا دے
جینے کا ذرا تو حوصلہ دے
(خوشبو،ص ۲۶۲)

اور یہ حوصلہ جب انتہا کو پہنچتا ہے تو آنکھوں کی آسودگی کے لئے خواہش کا اظہار یوں شعر میں ڈھلتا ہے کہ:۔

دکِھلا کسی طور اپنی صورت
آنکھوں کو مزید مت سزا دے
(خوشبو،ص ۲۶۲)

اُردو شاعری میں محبوب کی آنکھوں کی ہمیشہ تحسین کی گئی ہے۔بڑی،غزالی،کاجل سے سجی،بادامی،سرمگیں، شرمیلی نگاہیں ہمیشہ شعراء کی داد کا باعث بنیں۔پروین شاکر کی شاعری میں بھی آنکھوں کا لفظ تواتر سے آیا ہے مگر انداز روایتی نہیں۔اُن کے ہاں آنکھیں جو محبت میں بولتی ہیں کیوں کہ سماج ہونٹوں پر مہر لگا دیتا ہے ایسے میں پیغام آنکھوں

کی زبان سے دیا جاتا ہے۔

زبان سے چُپ ہے مگر آنکھ بات کرتی ہے
نظر اٹھائی ہے جب بھی تو بولتا ہی لگا
(خوشبو،ص۱۵۶)

بہت عزیز ہیں آنکھیں میری اُسے لیکن
وہ جاتے جاتے انہیں کرگیا ہے پُرنم پھر
(خوشبو،ص۱۶۲)

اس کی آنکھیں بھی کہے دیتی تھیں
رات بھر وہ بھی نہیں سویا لوگو
(خوشبو،ص۵۲)

خود کرے تیری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
یہ آنکھیں جن کو کبھی دکھ کا حوصلہ نہ ہوا
(خوشبو،ص۷۵)

پروین محبت کے سوز و گداز سے متاثر ہوتی ہیں لیکن جل کر خاکستر نہیں ہوتیں بلکہ اپنی محبت کو آزمانے کا رویہ اپناتی ہیں۔

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اُس کی دلہن سجاؤں گی
(خوشبو،ص۲۰۹)

دل پہ اک طرفہ قیامت کرنا
مسکراتے ہوئے رخصت کرنا
(خوشبو،ص۱۱۶)

کیا کسی مرد نے آج تک اپنے محبوب کو یوں رخصت کیا

لو! میں آنکھیں بند کئے لیتی ہوں، اب تُم رخصت ہو
دل تو جانے کیا کہتا ہے، لیکن دل کا کہنا کیا
(خوشبو، ص۹۷)

اب تک شعرأ ہمیشہ دل کا کہا مانتے رہے۔ اس لئے کبھی کوئی راہ اُنہیں سوجھی ہی نہیں۔ یوں گم گردہ راہ رہے۔ منزل بے نشان کا پتہ بھلا دل غریب کیا جانے حیرت ہوتی ہے اس کمزور سی لڑکی کی ہمت پر

سپرد کر کے اُ سے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی
(خوشبو، ص۲۰۹)

بلکہ کہیں کہیں تو اپنے آپ کو الزام دے کر محبوب کو بری الذمہ قرار دیتی ہیں لیکن ایسا تب ہوتا ہے جب محبوب کا کردار وہ خود ادا کرتی ہیں۔

عشق تو خیر تھا اندھا لڑکا
حسن کو کون سی مجبوری تھی
(خوشبو، ص۳۱۱)

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اُس کا ہی قصور سارا کب تھا
(ماہِ تمام، ص۱۵)

کچھ تو تھی میری خطا ورنہ وہ کیوں
بے سبب ترک رفاقت کرتا
(ماہِ تمام، ص۲۸)

محبت کی کہانی میں کڑا وقت وہ ہوتا ہے جب کسی کو الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا جائے۔ ظاہر ہے دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن بعض اوقات لبوں پر مسکراہٹ سجانی پڑتی ہے۔ ان لمحات کو پروین شا کر نے اپنی شاعری میں اَمر کر دیا ہے۔

یوں بچھڑنا بھی بہت آسان نہ تھا اُس سے مگر
جاتے جاتے اُس کا وہ مڑ کر دوبارہ دیکھنا
(ماہِ تمام،ص۲۴۱)

رخصت کرنے کے آداب نبھانے ہی تھے
بند آنکھوں سے اُس کو جاتا دیکھ لیا ہے
(ماہِ تمام،ص۵۵)

لیکن زیادہ عرصے کے لیے آنکھیں بند بھی نہیں رکھی جاسکتیں اور جب آنکھ کھُلے تو حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔سوچ جب فکر کا روپ دھارتی ہے تو چند سوال سامنے آکھڑے ہوتے ہیں:۔

ایسا کیوں کہ جانے سے صرف ایک انسان کے
ساری دنیا ہی بے ثبات ہو جائے
(ماہِ تمام،ص۱۳۰)

اور اس کے بعد یاد زندگی گزارنے کا ایک خوبصورت سہارا بنتی ہے۔یاد صرف تلخی لیئے ہوئے ہی نہیں آتی بلکہ کبھی کبھار یوں بھی آتی ہے

یاد کرتا جائے دل اور کھلتا جائے دل
اوس کی طرح کوئی پات پات ہوجائے
(ماہِ تمام،ص۱۳۰)

کوئی ستارہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا
سفر میں جیسے ہی مجھ کو تیرا خیال آیا
(ماہِ تمام،ص۲۲۶)

اپنے لئے یاد کا انداز اور ہے اور محبوب کے لئے یاد کا لفظ اور معنی لئے ہوئے ہے۔پسِ پردہ محبوب کے ظرف سے بھی آگاہی ہے:۔

تیرے ہی بھلے کو چاہتی ہوں
میں تجھ کو کبھی نہ یاد آؤں
(خوشبو،ص۳۱۹)

جبکہ اپنے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ

یاد کیا آئی کہ روشن ہوگئے آنسو کے گھر
جنگلوں میں شام اتری، جل اٹھے جگنو کے گھر
(خوشبو، ص ۲۳۵)

یہ یادرفتہ رفتہ خواب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔تعلقات بھی کبھی کبھی خواب وخیال ہو جاتے ہیں:۔

آنکھوں نے یہ جان لیا ہے کہ کوئی شخص
اک خواب تھا کہ عرصہ جاں سے نکل چکا
(ماہِ تمام، ص ۲۳۸)

ڈسنے لگے ہیں خواب مگر کس سے بولئے
میں جانتی تھی، پال رہی ہوں سپنو لئے
(خوشبو، ص ۲۳۰)

لیکن اس کے باوجود یہ خواب اس لئے عزیز ہیں کہ زندگی کے اندھیروں میں یہ واحد روشنی کا ذریعہ ہیں:۔

اس خواب کی لو کو مت بجھانا
یہ میرا چراغ نیم شب ہے
(ماہِ تمام، ص ۱۳۷)

ایک شب گزیدہ شخص ہی بتا سکتا ہے کہ چراغِ نیم شب کی اہمیت کیا ہے۔مختصراً پروین شاکر کی شاعری میں محبت سب سے بڑا تجربہ ہے اور اس کی کائنات کا مرکز ومحور ہے۔اپنی ذات سے ماورا ہو کر کسی اور ذات کے لئے اپنے آپکو تج دینے کا احساس اور اس میں سرشاری یہی اس کی جیت ہے۔محبت کی یہ کہانی جہاں ایک نسوانی آواز کی انفرادیت ہے وہاں دیگر شعراء کے لئے ایک کھلا چیلنج بھی ہے کہ وہ چاہیں بھی تو عورت کی محبت کی اس وسعت کو اپنے اندر جگہ نہیں دے سکتے جو بطور ممتا صرف اسی کا مقدر ہے اور وہ اس وسعت میں تمام رشتے سمو لیتی ہے۔

سب ضدیں اس کی میں پوری کروں، ہر بات سنوں
ایک بچے کی طرح سے اُسے ہنستا دیکھوں
(خوشبو، ص ۶۰)

بلاشبہ یہ محبت کی کہانی دروغ گوئی سے مبرا ہے۔

ماخذات وحواشی

۱۔ پروین شاکر،''خوشبو''، غالب پبلشرز، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء

۲۔ ......ایضاً......،''صد برگ''، التحریر اُردو بازار، لاہور، فروری، ۱۹۸۰ء

۳۔ ......ایضاً......،''خود کلامی''، مکتبہ فنون، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء

۴۔ ......ایضاً......، انکار، ایضاً، ۱۹۹۰ء

۵۔ ......ایضاً......،''کف آئینہ''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

۶۔ ......ایضاً......، ماہِ تمام (کلیات) مراد پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

۷۔ عالیہ جلیل شاہ،''تنہا چاند''، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

۸۔ ''خوشبو کی ہمسفر''، مرتبہ ڈاکٹر سلطانہ بخش، لفظ لوگ، پبلی کیشنز، اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۲ء

☆ پروین شاکر ۲۴رنومبر ۱۹۵۲ء میں کراچی میں پیدا ہوئیں۔ شعری سفر کا آغاز دورانِ طالب علمی سرسید کالج کراچی میں ۱۹۶۸ء سے ہوا۔ ابتدائی تخلص بینا اور بعد ازاں پروین اختیار کیا۔ پہلا شعری مجموعہ ''خوشبو'' کے نام سے نومبر ۱۹۷۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے بعد ''صد برگ'' فروری ۱۹۸۰ء، ''خود کلامی'' ۱۹۸۵ء، ''انکار'' ۱۹۹۰ء اور چاروں شعری مجموعوں پر مشتمل کلیات ماہ تمام کے نام سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔
جامعہ کراچی سے ایم اے انگریزی ادبیات ۱۹۷۲ء میں اور ایم اے (لسانیات) ۱۹۸۰ء میں کیا۔ سی ایس ایس ۱۹۸۱ء میں کیا جس میں پاکستان بھر میں دوسری پوزیشن لی۔ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۲ء تک تعلیم کے سلسلے میں امریکہ مقیم رہیں۔ بے شمار اعزازات حاصل کئے۔ انتقال سے پہلے ڈپٹی ڈائریکٹر (انسپکشن اینڈ ٹریننگ، کسٹم اینڈ سنٹرل ایکسائز، اسلام آباد) میں فرائض منصبی ادا کر رہی تھیں کہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۹۴ء میں ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔

☆☆ احمد فراز پر ایک مضمون میں پروین شاکر نے لکھا ہے کہ ''جس معاشرے میں الزام کی تصدیق کے بغیر تعلقات ختم کرنے کی رسم ہو وہاں کسی شخص کی بے وفائی کا جواز ڈھونڈ لانا بڑے حوصلے کی بات ہے'' متعلقہ اشعار ان کے اس بیان کی ترجمانی کرتے ہیں۔